شجرہ "سلسلہ نسبتِ اویسیہ"

خطاب: امیر محمد اکرم اعوان

بمقام: دارالعرفان، منارہ (ضلع چکوال)

ناشر

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان، منارہ (ضلع چکوال)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیم O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ O

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ O

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ O

مَوْلَا یَا صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہِ الْعُصُوْرُ O

اللہ جل شانہٗ نے اپنے بندوں کے لئے اولیاء اللہ کی اصطلاح قرآن کریم میں استعمال فرمائی ہے اور اس کی وضاحت بھی فرمائی ہے کہ اللہ کے دوست کون ہیں یا اللہ کن کا دوست ہے۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

جو لوگ پختہ یقین اور ایمان سے سرفراز ہوتے ہیں، جو لوگ ایمان لاتے ہیں، اللہ ان کا دوست ہے اور اللہ کی دوستی کا اثر ان کی زندگی پر یہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا سفر ظلمت سے، تاریکیوں سے، گناہ سے اور نافرمانی

سے فرمانبرداری کی طرف جاری رہتا ہے۔ انہیں تاریکیوں سے نکالتا ہے روشنی کی طرف۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيَآءُ هُمُ الطَّاغُوْتُ جنہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا ان کا دوست طاغوت یا شیطان ہوتا ہے۔ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ شیطان کی دوستی اور ولایت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان سے نیکی چھوٹتی جاتی ہے اور وہ برائی میں مزید دھنستے چلے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم کی یہ اصطلاح جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ اچھی طرح جان لو کہ جو اللہ کے اولیاء ہیں یا دوست ہیں انہیں نہ آئندہ کا خوف ہوگا اور نہ گزشتہ کا دکھ۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ حزن دکھ کو کہتے ہیں جو کسی بات کے ہو جانے پر ہوتا ہے اور خوف ہوتا ہے جو کسی ہونے والی بات کا ہوتا ہے، آنے والے خدشے کا ہوتا ہے۔

فرمایا:۔ انہیں نہ کوئی آئندہ کا خوف ہوگا نہ گزشتہ پر افسوس ہوگا کہ جو گزری وہ اللہ کی اطاعت میں گزری اور جو آئے گی وہ وصول حق کی نوید آئے گی۔ اصطلاحاً یہ لفظ صوفیوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ذکر اذکار کر کے سینہء اطہر رسول اللہ ﷺ سے کیفیات و برکات حاصل کیں، ان کے لئے استعمال ہونے لگا اور عظیم اور بزرگ صوفیوں کو ولی اللہ، اہل اللہ کہا جانے لگا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان تمام صفات کے جامع تھے جو وصال نبوی

کے بعد مختلف افراد میں تقسیم ہوئیں۔ زمانہ اطہر میں فقیہہ بھی حضور ﷺ تھے، مفتی بھی حضور ﷺ تھے، حکمران بھی حضور ﷺ تھے سپاہی بھی حضور ﷺ تھے، ایک گھر کے مالک اور بچوں کی پرورش کرنے والے بھی حضور ﷺ تھے، تاجر بھی حضور ﷺ تھے، لوگوں سے معاملات کرنے والے بھی حضور تھے، قرآن بتانا بھی حضور ﷺ ہی کا منصبِ جلیلہ تھا اور قرآن سمجھانا بھی آپ ﷺ ہی کا منصبِ جلیلہ تھا۔ سب کچھ جو اللہ ہی کی طرف سے نوع انسانی کو نصیب ہونا تھا وہ ایک ذات میں جمع ہو گیا (ﷺ)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد یا آپ کی ذات کے بعد، آپ کے زمانہءاطہر میں بھی صحابہ کرام میں بھی کوئی صحابی فقہ میں مشہور ہوا، کوئی تفسیر میں معروف ہوا، کوئی عبادت، زہد، تقویٰ میں معروف ہوا، کوئی شجاعت و دلیری میں معروف ہوا، کوئی فاتح اور جرنیل کہلایا۔ یعنی وہ تمام صفات جو ایک ذات میں جمع تھیں آپ ﷺ کے علاوہ دوسری ذاتوں میں ان کی کرنیں نظر آئیں۔ اگر کوئی بہت بہادر بھی ہو تو ایسا بہادر نہیں ہو سکتا جیسے محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ کوئی بہت بڑا فقیہہ بھی ہو خواہ صحابہ کرام میں سے ہی ہو تو اس طرح کا فقیہہ نہیں ہو سکتا جس طرح حضور اکرم ﷺ تھے۔ کوئی بڑا عابد و زاہد بھی ہو تو کما حقہٗ ویسا نہیں ہو سکتا جیسے حضور اکرم

ﷺ تھے۔ ہاں! ان اوصاف کی کرنیں، ان تجلیات اور ان انوارات اور ان برکات کو اپنے آپ میں سمو کر اپنے ہم عصروں میں دوسروں سے ممتاز ہو گئے لوگ۔۔ ان میں ایک شعبہ اُن لوگوں کا بھی آیا جنہیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے علوم ظاہری کے ساتھ قرآنِ کریم کی تفسیر و تعبیر کے ساتھ، حدیثِ مبارکہ اور سنتِ سنیہ کے ساتھ، اتباعِ حق کے ساتھ ساتھ کیفیات قلبی .... وہ تبدیلیاں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ با برکات کے انوارات سے قلوب میں ہوئیں ....

وَيُزَكِّيهِمْ .... جن کیفیات سے قلوب کا تزکیہ ہو گیا وہ کیفیات بھی جنہوں نے اس قدر حاصل کیں کہ دوسروں میں ممتاز ہو گئے، وہ ولی اللہ کہلائے۔

جس طرح کسی نے فقہ میں اتنا کچھ سیکھا کہ عام مسائل تو دوسرے لوگ بھی جانتے تھے لیکن وہ ان سے زیادہ جاننے والا بن کر فقیہہ کہلایا محدث کہلایا، مفسر کہلایا، اسی طرح ہر مومن اگرچہ ایک درجہ میں اللہ کا ولی ہے، ہر وہ بندہ جسے نورِ ایمان نصیب ہے وہ کسی نہ کسی درجہ میں .... اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا .... امنوا میں کوئی الف، ب، ج کی قید نہیں ہے، جو بھی ایمان لایا اسے ولایت الٰہی حاصل ہو گئی۔ اب یہ اس پر ہے کہ وہ اپنے ایمان پر کتنا عمل کر کے مزید اس ولایت کو پختہ کرتا ہے اور اس طرح اس کا

سفر نور کی طرف جاری رہتا ہے۔ یا، بد بختی میں آ کر ایسے لوگ بھی ہوئے کہ جن کا پھر ایمان بھی ضائع ہوا اور مرتد بھی ہوئے، دین سے پھر گئے، دین جاتا رہا اور آج کے عہد میں تو کوئی عجیب بات بھی نہیں ہے کہ کتنے مسلمان گھروں میں، کتنے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو دین کو چھوڑ چکے ہوتے ہیں۔

بحر حال اس طرح قرآن حکیم ہم تک توارث کے ذریعے پہنچا۔ ایک سے دوسرے کو، دوسرے سے تیسرے کو۔ ہم نے تو نہیں سُنا۔ ہم سے پہلوں نے نہیں سنا، ان سے پہلوں نے نہیں سنا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ واحد افراد ہیں جنہوں نے رسول پاک ﷺ سے قرآن سُنا اور رسول اللہ ﷺ وہ واحد ہستی ہیں جن پر قرآن نازل ہوا اور نزولِ قرآن کا کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے کہ کوئی کہے کہ میں بھی سُن رہا تھا یہ آیت ایسے ہی نازل ہوئی تھی، ایسا کہنے والا کوئی نہیں ہے۔ حضور ﷺ سے صحابہ نے، صحابہ سے تابعین نے، تابعین سے تبع تابعین.......... علیٰ ھذا القیاس توارث اور وراثت کے طور پر مسلمان اپنے پہلوں سے حاصل کرتے آئے اور الحمد للہ ہمارے پاس من وعن وہی قرآنِ حکیم ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور اس کی ترتیب بھی وہی ہے جو نبی اکرم ﷺ نے دلوائی۔ آیات کا نزول مختلف مواقع پر ہے، سورتوں کا نزول مختلف مواقع پر ہے۔ بعض مدنی سورتیں پہلے آجاتی ہیں ترتیب میں اور بعض مکی سورتیں بعد میں

ہیں۔ بعض مکی آیات مدنی سورتوں میں ملتی ہیں اور بعض مدنی آیات مکی سورتوں میں ملتی ہیں۔ چونکہ آیات اپنے اپنے موقع محل پہ نازل ہوتی رہیں لیکن جب قرآن مکمل ہو گیا تو اس کی ترتیب خود محمد رسول اللہ ﷺ نے دلوائی اور سورتوں اور آیات تک کی ترتیب وہی ہے جو آقائے نامدار ﷺ نے دلوائی۔ ہمارے پاس وہ قرآن ہے جس کی ترتیب آقائے نامدار ﷺ نے دلوائی۔ اور ہمارے پاس الحمدللہ ہر آیت کا شانِ نزول، اس کا موقع و محل، اس کی تاریخ، یہ سارا کچھ محفوظ ہے۔ اسی طرح تواتر سے احادیث پہنچیں۔ اب قرآن حکیم اور حدیثِ نبوی میں ایک فرق ہے کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ تو اللہ کریم نے لے لیا۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ہم نے ہی یہ قرآن اتارا ہے ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ ہم اس کے محافظ ہیں۔

قرآن پاک کی ایک زیر، زبر یا نقطہ گھٹایا یا بڑھایا نہیں جا سکا۔ جس کسی نے تحریف کرنے کی کوشش کی وہ دوسری زبانوں میں قرآن حکیم کے ترجمے کرتا رہا لیکن کسی آیت کو چھیڑنے کی، کسی لفظ کو چھیڑنے کی جرات کسی کو نہیں ہوئی۔

حدیثِ پاک میں اس درجے کا تحفظ نہ تھا لہٰذا حدیثِ پاک میں آمیزش بھی کی گئی، حدیثیں اپنے پاس سے گھڑ کر بیان کی گئیں۔ اگرچہ آپ

کا ارشادِ عالی تھا کہ مَنْ كَذِّبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً جس کسی نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادِ عالی کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی شخص جو میری ذات پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس کے باوجود منافقین نے، بے دین لوگوں نے، دنیا کمانے کے لئے، فرقے بنانے کے لئے، لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کے لئے احادیث گھڑیں۔ لیکن اللہ نے حدیث کو بھی وہ تحفظ دیا اس لئے کہ حدیث بھی قرآن کے مفاہیم تھے اور اسی زمرے میں آجاتے ہیں جو حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔ اللہ نے اگر قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تو صرف الفاظ کا ذمہ تو قرآن کو کافی نہیں ہے جب تک اس کے مطالب اور مفاہیم بھی محفوظ نہ ہوں۔ لہٰذا حدیث کے تحفظ کے لئے اللہ کریم نے مسلمانوں کو ایسے ایسے اولوالعزم اور ایسے ایسے عظیم شخص عطا فرمائے جنہوں نے ایک حدیث کی جانچ کے لئے سترہ فنون ایجاد کئے۔

یاد رہے کہ حدیث کو پرکھنے کے لئے، حدیث نبوی کی جانچ کے لئے سترہ فنون ہیں جن میں سے ایک فن اسماء الرّجال کا ہے اور دنیا میں کسی قوم کے پاس یہ نہیں ملتا سوائے مسلمانوں کے۔ اسماء الرّجال میں ان لوگوں کے نام ہیں جنہوں نے حدیث بیان کی۔ "الف" سے لے کر "ی" تک حروفِ تہجّی کی ترتیب سے ہر اس بندے کا نام ملتا ہے جس نے حدیث بیان

کی۔ اسماء الرّجال کی کتابوں میں جتنے لوگوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حدیث بیان کی ان سب کا نام ملتا ہے۔ پھر صرف نام ہی نہیں ملتا بلکہ یہ تفاصیل بھی کہ ان کا خاندان کیسا تھا، ان کا کاروبار کیسا تھا، ان کا مزاج کیسا تھا، لوگوں میں ان کی شہرت کیسی تھی، عملاً وہ نیک تھے یا غیر صالح تھے، دیانت دار تھے یا نہیں تھے، ہمیشہ سچ بولتے تھے یا کبھی جھوٹ بھی بول لیتے تھے۔ اتنی ساری تفصیلات اس میں موجود ہیں۔

ان سترہ فنون میں سے یہ بھی ایک فن ہے کہ اگر کسی راویء حدیث پر ذرا سا بھی اعتراض وارد ہو جائے تو جب تک کوئی دوسرا مستند اور کھرا آدمی اسی حدیث کو بیان نہ کرے اس راوی سے محدثین حدیث نہیں لیتے۔

امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے "بخاری شریف" مدینہ منورہ میں قیام فرما کر جمع کی لیکن ایک ایک حدیث کے لئے آپ نے بڑے سفر کئے۔ جہاں پتہ چلتا کہ وہاں کسی ملک میں، کسی شہر میں، کسی ایک آدمی کے پاس ایک حدیث ہے تو آپ اس زمانے میں جو پیدل چلنے کا زمانہ تھا، اونٹ گھوڑے کا زمانہ تھا، وہاں تشریف لے جاتے اور اس سے حدیث حاصل کرتے۔ آپ ایک حدیث کے لئے مصر تشریف لے گئے۔ اُس آدمی کو تلاش کیا تو پتہ چلا کہ وہ اپنے باغ میں ہیں۔ وہ اس کی کھیتی یا باغ جو تھا اس میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ شخص گھوڑے کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے،

اس کا گھوڑا چھوٹ گیا ہے یا کُھل گیا ہے، وہ اس کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس آدمی نے گھوڑے کو پکڑنے کے لئے اس طرح سے جھولی بنائی جس طرح اسے دانا کھلانے جا رہا ہو۔ گھوڑا اس جھولی پہ آیا تو اس نے گھوڑا پکڑ لیا اور جھولی چھوڑ دی۔ آپ (امام بخاری) واپس چل دیئے۔ اس شخص نے پکارا کہ بھئی کون ہو، کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو اور بنا ملاقات واپس جا رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں فلاں شخص ہوں، مدینہ منورہ سے آیا ہوں اس لئے آیا ہوں کہ مجھے پتہ چلا تھا کہ تمہارے پاس نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث ہے۔ ہاں! اس نے کہا کہ ہے۔ میرے پاس ایک حدیث ہے۔ آپ آئیں اور سُنیں۔ امام بخاری نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے تمہیں دیکھا ہے کو تو جانور سے بھی جھوٹ بول رہا ہے۔ تیرے دامن میں غلّہ نہیں تھا، دانے نہیں تھے، تو نے جانور سے جھوٹ بولا۔ ایسے جھوٹے آدمی سے میں نبی اکرم ﷺ کے کلمات سننے کو تیار نہیں ہوں۔

مدینہ سے مصر تک کا سفر اکارت گیا۔ فرمایا ! یہی حدیث مجھے کسی کھرے اور سچے آدمی سے مل جائے گی لیکن تم سے میں حاصل نہیں کروں گا۔ اسی لئے "بخاری" کو کہتے ہیں اصح الکتب بعد الکتاب اللہ کہ قرآن کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب "بخاری شریف" ہے اور "صحیح بخاری" اس کا نام ہے۔ باقی پانچ بھی صحاح ستّہ میں معروف ہیں کہ یہ

حدیث کی چھ کتابیں صحیح ترین ہیں لیکن پھر بھی ان کا معیار اس کے بعد بھی جانچا پرکھا جاتا ہے، قرآن کی طرح آنکھیں بند کر کے ان پر یقین نہیں کیا جاتا۔ ان سب احادیث میں ایک مضبوط سلسلہ روایت کا ہے کہ کس نے یہ حدیث بیان کی، اس نے کس سے سُنی، اس نے کس سے سُنی، اس نے کس سے سُنی یہ سلسلہ روایت بالآخر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جا کر مکمل ہوتا ہے کہ فلاں بندے نے حضور ﷺ سے سُنی، اس سے اس کے بیٹے نے یا اس کے شاگرد نے یا فلاں نے اس طرح یہ سلسلہ روایت چلتا آتا ہے تا آنکہ وہ حدیث کی کتاب میں ترتیب پا گئی اور لکھی گئی پھر ہر کسی نے اس کتاب سے پڑھی۔

یہ سلسلہ روایت جو ہے احادیثِ مبارکہ میں سب سے مضبوط سلسلہ ہے جانچنے کا کہ سارے راویوں کے نام اسماء الرّجال میں مل جاتے ہیں، ان کے حالات مل جاتے ہیں، زمانے مل جاتے ہیں۔ ایک فن یہ بھی ہے کہ کون کب پیدا ہوا، کب فوت ہوا اور جس سے روایت کر رہا ہے اسکے زمانے میں یہ تھا بھی یا نہیں تھا جس کا نام لے کر روایت کرتا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کا وصال پہلے ہو گیا ہو اور یہ بعد میں آیا ہو اور یہ روایت کر رہا ہو۔

اللہ کریم نے حدیث کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کے سینے کشادہ کر دیئے اور انہیں ایسے ایسے اہل علم عطا فرمائے جن کا علم سورج کی طرح

روشن اور دنیا کو منور کر گیا اور ایک ایک حدیث کی ساری جانچ پرکھ ملتی ہے۔

اسی طرح سے اولیاء اللہ کے سلاسل بھی چلے۔ جس طرح روایت حدیث ہے اسی طرح سے شجرے یا جسے شجرہ کہتے ہیں یا سلسلہ اولیاء اللہ کا کہتے ہیں یہ بھی چلے کہ کس نے کس سے برکاتِ نبوی حاصل کیں، کس کی صحبت میں گیا، اس نے کس کا زمانہ پایا، کہاں اس سے ملا اور اس سے وہ کیفیات قلبی حاصل کیں۔ اسے کہتے ہیں شجرہ یا سلسلہ۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" پر ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے بارہ یا چودہ، غالباً چودہ سلسلوں کا ذکر فرمایا ہے اور پھر یہ فرمایا کہ یہ سلسلے صرف چودہ نہیں ہیں، بے شمار لوگوں سے سلسلے جاری ہوئے، کچھ ختم ہو گئے، کچھ ایسے بھی تھے جو غیر معروف رہے اور کتابوں میں نہ آ سکے لیکن جو ان تک معلومات پہنچیں ان کے مطابق انہوں نے اس کتاب میں ترتیب دے دیئے۔

اب سلاسل کا طریق یہ تھا کہ صحابہ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں حاضر ہو کر وہ انوارات و کیفیات سینہ اطہر سے اپنے سینوں میں انڈیلیں۔ تابعین نے صحبت صحابہ میں رہ کر وہ کیفیات حاصل کیں، تبع تابعین نے تابعین سے حاصل کیں۔ اب اسی طرح جب یہ سلسلہ چلا تو آج تک جہاں کوئی سلسلہ تصوف ہے آپ دیکھیں گے کہ ان کے پاس اپنا شجرہ یا اپنا

سلسلہ ہوگا جو اس بات کا گواہ ہوگا کہ کس نے کس سے برکات حاصل کیں۔

اِسی ''الانتباہ'' میں ایک نسبت کا ذکر فرماتے ہیں۔ یاد رہے! سلسلہ ہوتا ہے فرد سے فرد کے نام تک لیکن نسبت کہتے ہیں ان کیفیات اور تعلق کو جو قلب سے قلب کو ہو جائے۔ صحابہ نے وہ نسبت حاصل کی بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر لیکن عہد نبوی میں ایک شخص تھے سیّدنا اویس، قرن کے رہنے والے تھے جنہیں اویس قرنی کہتے ہیں۔ ان کے حالات میں یہ ملتا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے مدینہ منورہ کی حاضری بھی دی لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شرف ملاقات حاصل نہ کر سکے۔ حضور ﷺ کسی سفر مبارک پر تھے اور انہیں واپسی کی جلدی تھی وہاں ٹھہر نہ سکے اور واپس آ گئے۔ اور پھر وصال نبوی تک انہیں بارگاہِ نبوی میں حاضری نصیب نہ ہوئی۔ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ صحابہ سے ملے، صحابہ کو دیکھا۔ عہد نبوی کو پایا لیکن کیفیت ان کی کیا تھی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وصیت فرمائی کہ میرے بعد تم میں سے اگر کسی کی ملاقات اویس قرنی سے ہو تو اس سے کہنا کہ میری امت کی مغفرت کے لئے دعا کرے۔ یعنی برکات انہوں نے کتنی لیں، ان کا مقام کیا تھا، ان پہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے اور اس ارشاد کو لے کر سیدنا فاروقِ اعظمؓ اپنے زمانے میں سفر کر کے دجلہ کے کنارے جا کر کہیں انہیں صحرا میں دریا کے کنارے جا کر ان سے ملے۔ انہیں نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام کا سلام بھی پہنچایا اور یہ پیغام بھی پہنچایا۔ ان کا بدن، ان کا وجود، ظاہری جسم بارگاہِ نبوی میں حاضر نہ ہو سکا لیکن ان کے دل نے قلب اطہر سے وہ قرب حاصل کر لیا کہ جو برکات انہوں نے دور رہ کر حاصل کیں، غائبانہ حاصل کیں، ان کی روح نے قلب اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اکتسابِ فیض کیا۔ ان سلاسلِ تصوف میں باقی ساری نسبتیں حضوری ہیں۔ جیسے کوئی جس سے ملا وہاں سے حاصل کیں۔ شاہ ولی اللہؒ بھی "الانتباہ" میں رقمطراز ہیں، فرماتے ہیں کہ ایک نسبتِ اویسیہ ہے جس میں ملاقات شرط نہیں ہے۔ اویسیہ اس لئے کہتے ہیں کہ حصولِ فیض کا طریقہ وہ ہے جو اویس قرنی کا تھا کہ بدن وہاں پہنچ نہ سکا، ظاہری ملاقات نہ ہوئی لیکن روح نے دور رہ کر بھی وہ برکات حاصل کر لیں کہ سیدنا فاروق اعظم جیسے جلیل القدر صحابی کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام لے کر ان کے پاس جانا پڑا۔ اگر کسی دل کو یہ قوت نصیب ہو جائے کہ روحانی طور پر اس کی روح پہلے بزرگوں سے یا بارگاہِ نبوی سے براہِ راست برکات و فیوضات حاصل کر لے تو اس طریقے کو نسبتِ اویسیہ کہیں گے۔

ہمارے ہاں برصغیر میں چار سلسلے معروف ہیں۔ چشتی، قادری، نقشبندی اور مجددی۔ نقشبندی جو ہیں ان کے آگے دو ہیں، نقشبندی مجددی اور نقشبندی اویسی اور چوتھا ہے سہروردیہ (شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے)۔

اب یہ چاروں لوگ بہت بعد کے ہیں۔ لیکن یہ چاروں ایسے ہیں جیسے فقہ میں چار آئمہ نے اجتہاد کا حق ادا کر دیا کہ فقہی مذہب چار پر آ کر رک گئے اسی طرح حصولِ برکات قلبی میں روحانی کیفیات میں ان چاروں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ ان کے ناموں پر آ کر چار سلسلے بن گئے۔

نقشبندیوں میں پھر دو ہیں۔ ایک وہی ہے جس میں ملاقات شرط ہے اور شیخ کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کرنا شرط ہے اور دوسرا نسبتِ اویسی۔ اویسی میں یہ شرط نہیں ہے کہ ملاقات ہو بلکہ صدیوں بعد بھی اگر کسی سے کوئی فیض حاصل کرنے کی اہلیت و استعداد پاتا ہے تو وہ اسے حاصل کر لیتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ نسبتِ اویسی کی کیفیت یہ ہے کہ جس طرح دریا یا پانی کسی صحرا میں گم ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی نشان نہیں ملتا، زیر زمین چلا جاتا ہے اسی طرح گم ہو جاتی ہے اور اس طرح دو، دو، تین تین، چار چار سو سال کوئی بندہ اس نسبت کا نظر نہیں آتا لیکن پھر کہیں سے یہ زمین کو پھاڑ کر نکل آتی ہے اور جب یہ نکلتی ہے تو جل تھل کر دیتی ہے پھر ہر طرف اسی کا شور سنائی دیتا ہے اور ہر طرف یہی لوگ نظر آتے ہیں۔ پھر یہ چھا جاتی ہے انسانی قلوب پر۔ جو بھی سعید ہوں، جنہیں بھی اللہ نے قبول کر لیا ہو، جن پر اللہ کا کرم ہو وہ سارے پھر اس میں شامل ہو جاتے ہیں پھر یہ سمندر بن جاتا ہے اور ٹھاٹھیں

مارنے لگتا ہے۔ لہٰذا نسبتِ اویسیہ کا جو شجرہ ہے وہ بھی عجیب ہے۔

یہ واحد نسبت ہے فیوضات و برکات کی جو سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے جاری ہوتی ہے۔ یاد رکھیں کہ تمام سلاسل نبی کریم ﷺ سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ، ان سے سیدنا فاروقِ اعظمؓ، ان سے سیدنا عثمان غنی اور ان سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے آگے آکر مختلف سلسلے بن جاتے ہیں کہ آپ کے شاگردوں میں کتنے لوگ صاحبِ سلسلہ ہوئے اور سوائے نسبتِ اویسیہ کے باقی جتنی نسبتیں ہیں وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے چلتی ہیں۔ اس کی وجہ میں عرض کر چکا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کی برکات جس قدر ابوبکرؓ نے حاصل کیں ان میں کوئی دوسرا ان کا ثانی نہیں ہے۔ ان کے بعد جس طرح سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے حاصل کیں پوری امت میں پھر ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ان کے بعد جس درجے میں سیدنا عثمانؓ نے حاصل کیں پوری امت میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ان کے بعد جس درجے میں حضرت علیؓ نے حاصل کیں ان کے بعد ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ البتہ ایسے مشائخ عظام ملتے ہیں جن کے سینے حضرت علیؓ کے سینے سے منور ہوئے اور پھر انہوں نے آگے برکات منتقل کیں اور وہ خود صاحبِ سلسلہ بن گئے لیکن نسبتِ اویسیہ ایک ایسی نسبت ہے کہ جو براہِ راست نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ابوبکر صدیقؓ سے برکات حاصل کرتی

ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے سینے سے ابوبکر کے سینے میں جو کچھ انڈیلا گیا ہے وہ سوائے ابوبکر کے کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ اگر عہد نبوی میں نصیب نہیں ہوا تو اس کے بعد کسی کو نصیب نہیں ہوسکتا۔ اس کا مطلب ہے .... شب ہجرت کا ایک واقعہ ہے، علامہ باذل ایک شیعہ عالم ہوئے ہیں بہت بڑے اور بھلا زمانہ تھا اس زمانے کے علماء جھوٹ سے احتراز کرتے تھے۔ اگرچہ وہ شیعہ تھے لیکن پھر بھی انہوں نے پوری تاریخِ اسلام مرتب کی ہے اس زمانے کی اور وہ ساری فارسی شعروں میں ہے۔ پوری تاریخ، تاریخ اسلام، عہدِ نبوی کی فارسی شعروں میں ہے علامہ باذل ایرانی کی۔ ''حملہء حیدری'' اس کا نام ہے اور نایاب ہے۔ الحمد للہ ہماری لائبریری میں موجود ہے لیکن بعد میں حملہء حیدری کے نام کی کئی منظوم کتابیں چھپ کر مارکیٹ میں آگئیں جن میں تحریف کردی گئی لیکن جو اصل کتاب ہے اس میں جو اشعار ہیں، وہ ہجرت پہ جب وہ آتے ہیں تو ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب ہجرت کے لئے مجبور کردیا گیا تو آپ ابوبکر صدیق ؓ کے گھر جلوہ افروز ہوئے اور ابوبکر صدیق ؓ نے سانڈنیوں کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا، سفر کا اہتمام کر رکھا تھا جو پھر بعد میں غارِ ثور میں پہنچائی گئیں۔ آپ کی صاحبزادی نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر ستّو اور راشن باندھ کر ہمراہ کردیا اور دو بندے، ابوبکر صدیق ؓ اور محمد

رسول اللہ ﷺ عازم سفر ہوئے اور غارِ ثور میں جا کر جلوہ گزیں ہوئے۔

یہ منظر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :۔

؎ چوں رفتند چندیں بدامانِ دشت　　　قدومِ فلک سایہ مجروح گشت

کہ جب آپ نے کچھ دور تک سفر فرمایا صحرا میں، دشت میں، پہاڑوں میں تو آپ کے قدومِ مبارک زخمی ہو گئے۔

؎ ابوبکر آنگہ بہ دوشش گرفت　　　ولے ایں حدیث است جائے شگفت

کہ جب آپ کے قدم مبارک زخمی ہو گئے تو ابوبکر صدیقؓ نے حضور ﷺ کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا لیکن کہتے ہیں کہ یہ بڑی حیرت کی بات ہے یہ عام بات نہیں ہے کہ کسی نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اٹھا لیا یہ بڑی حیرت کی بات ہے:

؎ ابوبکر آنگہ بہ دوشش گرفت

اس وقت ابوبکرؓ نے حضور ﷺ کو اپنے کندھوں پر بٹھا لیا۔

؎ ولے ایں حدیث است جائے شگفت

لیکن یہ بات بڑی حیران کن ہے۔

؎ کہ در کس چناں قوت آمد پدید　　　کہ بارِ نبوت تواند کشید

کہ کسی فرد میں اتنی طاقت آ گئی کہ اس نے نبوت کا بوجھ اٹھا لیا۔

؎ کہ در کس چناں قوت آمد پدید　　　کہ بارِ نبوت تواند کشید

تو ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب ساری کائنات کا رابطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ گیا، زمین سے بھی قدوم مبارک اٹھ گئے۔ کسی چارپائی پر، کسی مکان پر، کسی سواری پر نہیں تھے بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوشِ ابوبکر صدیقؓ پر تھے اور ساری کائنات صدیقؓ کے قدموں سے برکاتِ نبوی حاصل کر رہی تھی۔ لہٰذا یہ وہ کڑی ہے، ابوبکر صدیقؓ وہ کڑی ہیں جسے معیّتِ نبوی کا اعلیٰ ترین معراج حاصل ہے۔ جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا معیتِ ذاتی ہے اور اس میں دو حضرات ہیں، دو افراد ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ اور یہ درجہ دنیا میں کسی تیسرے کو نصیب ہی نہیں۔

نبیوں میں معیّتِ ذاتی صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہے اور غیر نبیوں میں صرف ابوبکر صدیقؓ کو نصیب ہے۔ انبیاء کو معیت نصیب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب قوم نے کہا کہ آپ نے مروا دیا، پیچھے فرعون کا لشکر آرہا ہے آگے سمندر ہے، ہم پہلے بھی رسوا تھے، آپ آئے تو آپ نے بھی ہمیں مصیبتوں میں ڈال دیا۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ "اللہ" میرے ساتھ ہے، نہیں، انہوں نے فرمایا کہ اِنَّ مَعِیَ رَبِّی سَیَھْدِیْن میرا "رب" میرے ساتھ ہے، ہمیں راستہ بنا دے گا۔ یہ معیّت صفاتی ہے۔ "رب" صفاتی نام ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کے لئے، نیک لوگوں کے لئے

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُحْسِنِیْن یہاں نسبت ذاتی ہے، اِنَّ اللّٰہَ مَعَ ساتھ ہے، کن کے؟ "محسنین" آگے صفت آ گئی۔ معیت ذاتی ہے تو آگے بندے کی صفت ہے، صفت زائل ہوگئی تو معیت چلی جائے گی۔ نبی کو چونکہ ہمیشہ معیت حاصل رہتی ہے اس لئے وہاں معیت صفاتی ہے۔ یہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی شان ہے کہ آپ کو معیت ذاتی حاصل ہے اور غیر نبیوں میں ابوبکرؓ کی شان ہے کہ انہیں اللہ کی معیت ذاتی حاصل ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ، اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا لٰہذا یہ ممکن نہیں کہ کوئی برکات ابوبکرؓ سے بالا بالا محمد رسول اللہ ﷺ سے حاصل کرے۔

نسبتِ اویسیہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے چلتی ہے جو مخزن ہے، بھرا ہوا خزانہ ہے، لبریز ہے برکاتِ محمد رسول اللہ ﷺ سے اور پھر اس میں صدیوں کا فاصلہ آ جاتا ہے۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ نے 11 ھجری کو وصال پایا۔ دو سال بعد 13 ھجری میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا وصال ہو جاتا ہے۔ دو سال اور چند ماہ آپ کی خلافت رہی، حضرت حسن بصریؒ جو نسبت اویسیہ میں ابوبکر صدیق کے بعد آتے ہیں شجرے میں اور تقریباً تمام دیگر شجروں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعد آتے ہیں۔ ان کا وصال 111 ھجری کے آخر میں ہوا۔ کم وبیش سو سال کا فاصلہ ہے درمیان میں۔ 13 ھجری اور 111 ھجری میں 98 سال کا فرق تو ویسے ہی پڑ گیا۔ وصالِ صدیقِ اکبرؓ

میں اور حضرت حسن بصریؒ کے وصال میں ایک صدی حائل ہے لیکن اس طویل مسافت کو طے کرتے ہوئے حسن بصریؒ نے ابوبکر صدیقؓ کے سینہء پر نور سے وہ اکتساب فیض کیا جو برکات نبوی تھیں نسبتِ اویسیہ سے۔

حضرت حسن بصریؒ کے بعد حضرت داؤد طائی آتے ہیں جنہوں نے پھر برکات اویسی طریقے سے حاصل کیں اور ان کا وصال ہوا 174 ھجری میں۔ حضرت حسن بصری سے 74 سال بعد اگرچہ حضرت امام حسن بصریؒ سے حضرت داؤد طائی کی ایک ملاقات کا ذکر بھی تاریخ میں محفوظ ہے لیکن اکتسابِ فیض طریقِ اویسیہ سے ہی کیا۔ اس کے بعد حضرت جنید بغدادیؒ آتے ہیں جن کا وصال 297ء ھجری میں ہوتا ہے اور یہاں دوسو سے زائد سالوں کا فاصلہ آجاتا ہے لیکن روح کے لئے اکتساب فیض اگر اسے نسبتِ اویسیہ حاصل ہو جائے تو صدیوں کے فاصلے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ صدیاں اور زمانے وجود پر اثر انداز ہوا کرتے ہیں روح ان سے بالاتر شے ہے۔

اس کے بعد حضرت عبیداللہ احرارؒ کا نامِ نامی آتا ہے اور آپ کا وصال ہوتا ہے 895 ھجری میں، چھ صدیوں کا فاصلہ ہے۔ چھ سو سال کے بعد پھر ایک شخص روئے زمین پر نمودار ہوتا ہے جو نسبت اویسیہ حاصل کرتا ہے اور دنیا کو منور کر جاتا ہے۔ حضرت عبیداللہ احرارؒ تک پہنچتے پہنچتے لوگوں کو چلہ

کشیوں اور دنیا سے الگ ہونے کی اور پھٹے پرانے کپڑے پہننے کی، کھانا کم کھانا، کم سونا، یہ، وہ اتنے مجاہدے کر کے کچھ حاصل کرنے کی عادت ہوگئی تھی، روش چل گئی تھی جو آج بھی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ولی اللہ تو کوئی پاگل ہوگا، جنگلوں میں ہوگا، اس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہوں گے، وہ کھانا نہیں کھاتا ہوگا.......... حضرت عبیداللہ احرارؒ رئیس آدمی تھے۔ ایک سو جوڑا ہل آپ کی زمین پر ایک وقت میں چلا کرتا تھا اور یہ سارے آپ کے ملازم تھے۔ ایک سو خاندان صرف ہل چلانے والوں کا آپ کے ساتھ پلتا تھا۔ باقی امور میں جانوروں کی دیکھ بھال کرنے والے یا باقی اجناس کی خرید و فروخت کرنے والے کتنے لوگ پلتے ہوں گے اور آپ نے وہ پرانی روش ختم کر کے فرمایا کہ یہ طریقہ نہیں ہے کہ کپڑے بدل لو، لباس بدل لو، حلیہ بدل لو...... نہیں، عام آدمی کی طرح، جس طرح زندگی بسر کرتے ہو حدودِ شرعی کے اندر جو لباس عادتاً پہنتے ہو وہی لباس پہنو۔ جو غذا عادتاً کھاتے ہو وہی کھاؤ، مزا تو تب ہے کہ عام آدمی کی سطح پر رہ کر دل کو انوارات باری سے منور کر لو۔

چوں فقر اندر عبائے شاہی آمد   ز تدبیر عبیداللّٰہی آمد

تو فقیری کو شاہوں کا لباس عبیداللہ احرار نے پہنایا کہ فقیر بھی رہے اور بظاہر شہنشاہ بھی نظر آتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی تاریخ پیدائش 817 ھجری ہے۔ عمر میں وہ حضرت عبیداللہ احرارؒ سے گیارہ سال

چھوٹے تھے۔ ان کا وصال اپنے شیخ کے وصال کے تین سال بعد 898 ھجری میں ہوا لیکن ایک ہی زمانہ پانے کے باوجود تاریخ میں خواجہ احرارؒ سے ان کی صرف چار ملاقاتوں کا ذکر ملتا ہے جن میں سے ایک ملاقات وہ ہے جب خواجہ احرارؒ خود مولانا جامیؒ کے ہاں تشریف لائے۔ باہم خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا لیکن روحانی تربیت کی صورت نسبت اویسیہ ہی تھی۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی مشہور تصنیف تحفۃ الاحرار اپنے شیخ کی مدح و منقبت اور سلسلہء نقشبندیہ سے اپنی نسبت کے متعلق ہے۔ نفحات الانس میں وہ حضرت عبیداللہ احرارؒ کے بارے میں فرماتے ہیں :

"امید ہے ان کے وجود کی برکت سے اس سلسلہ کا انتظام یعنی اس لڑی میں امت کا منسلک ہونا قیامت تک جاری رہے گا۔"

اس کے بعد حضرت ابوایوب محمد صالحؒ ہیں۔ جن کا تعلق یمن سے تھا اور بیشتر زمانہ دسویں صدی کا پایا۔ اواخر نویں صدی عیسوی میں جب وہ اوائل عمر میں تھے، یمن سے خراساں (ہرات) کا سفر کیا۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ سے اکتساب فیض کے بعد حج کے لئے چلے گئے۔ ان کے بعد حضرت اللہ دین مدنیؒ جن کا مزار لنگر مخدوم میں ہے، ان کا نامِ نامی آتا ہے۔ انہوں نے یہ برکات اپنے شیخ حضرت ابوایوب محمد صالحؒ سے حاصل کیں اور ان کا زمانہ پایا۔ یہ دونوں ہم عصر ہیں اور انہیں مدینہ منورہ سے

ہندوستان رخصت فرما کر حضرت ابوایوب محمد صالحؒ یمن کوتشریف لے گئے اور آپ کا مزار یمن میں ہے۔یمن میں وصال ہوااور یمن میں آپ کا مزار پُر انوار ہے۔حضرت اللہ دینؒ برصغیر میں تشریف لائے، پنجاب میں جلوہ افروز ہوئے اور دین کا اتنا کام کیا کہ نامِ نامی اللہ دین کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ نام یہاں کا دیا ہوا، پنجاب کا لگتا ہے،عرب کا دیا ہوا لگتا نہیں ہے۔ ان کا اصل نام پسِ منظر میں چلا گیا اور جو لقب یہاں عطا ہوا وہ ان کے نام نامی کے طور پر معروف ہوگیا۔ان کے بعد مولانا عبدالرحیمؒ آتے ہیں۔ان کا وصال 30 جنوری 1957ء میں ہوا۔اور یہ تو کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔کہاں دسویں ھجری اور کہاں چودھویں ھجری۔ان میں اور حضرت اللہ دین میں بھی 4 صدیاں حائل ہیں۔

مولانا عبدالرحیمؒ سے شیخ المکرّم،قلزم فیوضات، بحرالعلوم حضرت العلام اللہ یار خانؒ نے برکاتِ نبوی حاصل کیں۔حضرت اللہ یار خانؒ نے صحبت پائی حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی لیکن مولانا عبدالرحیمؒ تو چار سو سال بعد آئے حضرت اللہ دینؒ سے،انہوں نے کیسے حاصل کیا تو یہاں ایک بات ہے جو وضاحت طلب ہے۔

برزخ سے یا عالم امر سے یا اہل اللہ سے جو دنیا سے کوچ کر چکے ہیں ان سے فیض حاصل کرنے کے لئے سالک کو برزخ میں رسائی چاہئے۔

کوئی زندہ شیخ ایسا ہو جو اس کی اتنی تربیت کرے کہ اس کی روح برزخ والے کی روح سے ہمکلام ہو سکے، ہم سخن ہو سکے، برکات حاصل کر سکے، تعلیمات حاصل کر سکے۔ اس کے لئے کسی زندہ شیخ کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور حضرت عبدالرحیمؒ کے والد صوفی تھے جنہوں نے انہیں مراقباتِ ثلاثہ کرائے۔ احدیت، معیت، اقربیت تک مراقبات انہوں نے اپنے والد گرامی سے کئے۔ مراقباتِ ثلاثہ اگر کسی کے مضبوط ہو جائیں، جس طرح یہ لوگ حلال کھاتے تھے، سچ بولتے تھے، ماحول سنجیدہ اور سچا اور کھرا تھا تو مراقباتِ ثلاثہ والا برزخ میں کلام کر سکتا ہے، اس کی رسائی ہو سکتی ہے۔ ہمارے سامنے کتنے لوگوں کو حضرتؒ نے مراقبات ثلاثہ کے بعد برزخ میں کلام کروایا۔ اس کے ہم عینی گواہ ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جتنے لوگوں کے درمیان فاصلہ آیا، چار چار سو سال، دو دو سو سال کا، یقیناً انہیں کسی نہ کسی نے کم از کم مراقباتِ ثلاثہ تو کروائے ہوں گے، ان کا برزخ میں رابطہ تو کرایا ہوگا۔ لیکن یاد رہے کہ نسبتِ اویسیہ والوں کا قاعدہ یہ ہے کہ باقی سارے سلسلوں میں فنا فی اللہ اور بقا باللہ کو آخری منازل قرار دیا گیا ہے۔ فنا، بقا سلاسل کی انتہا ہے جبکہ نسبتِ اویسیہ میں فنا و بقا ابتدا ہے اور فرمایا گیا۔

اول ما آخرِ ہر منتہی

جہاں تمام سلسلوں کی انتہا آ جاتی ہے وہاں سے ہماری ابتدا ہوتی ہے۔

؎ اولِ ما آخرِ ہر منتہی　　　آخرِ ماجیبِ تمنا تہی

اور ہماری انتہا یہ ہے کہ مانگنے کو کچھ نہیں رہتا۔ اتنا کچھ مل جاتا ہے کہ بندہ مانگ سکتا ہی نہیں، مانگنے کی کوئی کسر باقی نہیں رہ جاتی۔ لہٰذا جہاں یہ مراقباتِ ثلاثہ یا ربط بالارواح یا برزخ سے رابطے کا تعلق ہے تو جس کسی نے اتنا کام کیا اسے نسبتِ اویسیہ والوں نے اپنے شجرے میں شامل نہیں کیا۔ شجرہ مبارک میں صرف وہ نام نامی آئے جنہوں نے لوگوں کو فنا و بقا سے آگے چلایا اور انہیں عالم امر تک لے گئے۔ ورنہ یقیناً جہاں صدیوں کا فاصلہ ہے وہاں کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا ہوگا جو اس شیخؒ کو ملا اور جس نے اس کا رابطہ برزخ میں کروا دیا لیکن نسبت اویسیہ کے حاملین نے کم از کم جو معیار رکھا وہ تھا فنافی اللہ اور بقاباللہ اور اس سے آگے سلوک کو شمار کرنا شروع کیا، یہ تو الف، ب، ج، د ہے جیسے قاعدے میں الف ب ت ہوتا ہے۔ حروفِ ابجد جسے آپ کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ ابجد ہے۔

؎ اولِ ما آخرِ ہر منتہی　　　آخرِ ماجیبِ تمنا تہی

جس طرح حضرت ابوایوب محمد صالحؒ، حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کو والد گرامی نے مراقباتِ ثلاثہ کروائے اسی طرح پہلے بزرگوں کا رابطہ بھی ضرور کسی نہ کسی نے کروایا ہوگا مگر اس نام کو شجرہ مبارک میں جگہ نہیں دی گئی اور اس کی تلاش کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ اگر ضروری ہوتا تو شجرہ مبارک میں ضرور

شامل ہوتا۔اسی لئے شامل نہیں فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے فنا، بقا سے آگے چلایا، جنہوں نے سالک المجذوبی کروائی، جنہوں نے نو عرش طے کروائے:۔

؎ آنکہ آمد نو فلک معراج او انبیاء و اولیا محتاج او

جسے عرشِ عظیم کہتے ہیں اس کے نو حصے ہیں۔اور اس کے اندر نو حصے نو عرش کہلاتے ہیں جس طرح اس شعر میں کہا گیا کہ :

؎ آنکہ آمد نو فلک معراج او انبیاء و اولیا محتاج او

وہ ہستی جس کا معراج نو عرشوں سے اوپر جو تشریف لے گیا اور نبیؐ اور ولی جس کے محتاج ہیں۔تو یہ فاصلے روح کے لئے ہیں، روحانی برکاتؐ کے لئے ہیں اور برکاتِ نبوی کے طفیل روح حاصل کرتی ہے۔یہ میٹروں اور گزوں سے نہیں ناپے جاتے۔

میں آپ کو سمجھانے کے لئے ایک مثال دے دیتا ہوں جو غالباً میں نے کہیں لکھی بھی ہے، کہیں میں نے اس کا تذکرہ کیا بھی ہے، شاید ارشاد السالکین میں یا اور کہیں، اس وقت مجھے یاد نہیں، مجھے یہ یاد ہے کہ میں نے کہیں پہلے بھی یہ مثال کہیں لکھی ہے۔حضرتؒ نے شمار کروائی تھیں۔

پہلے عرش میں ایک لاکھ سولہ ہزار منازل تھیں۔پہلے عرش کے اندر اس کی چوڑائی میں ایک لاکھ سولہ ہزار منازل تھیں اور ان کے درمیان فاصلہ اتنا تھا جیسے آپ یہاں سے نگاہ اٹھائیں تو آپ کو ٹمٹاتا ہوا باریک سا ستارہ

کہیں نظر آئے، بدن کی نگاہ اور روح کی نگاہ میں بڑا فرق ہے۔ اگر روح سالک المجذوبی پر کھڑے ہو کر دیکھے تو اسے دور ایک چھوٹے سے دیئے جتنی روشنی نظر آتی تھی اور اللہ اسے وہاں لے جاتا تو ایک بہت بڑی منزل ہوتی۔ ان منازل میں آپس میں اتنا اتنا فاصلہ ہے اور یہ ایک لاکھ سولہ ہزار منازل ہیں۔ اس کے بعد گنی نہیں گئیں۔ نہ حضرت نے شمار فرمائیں نہ بعد میں کسی نے یہ جرات کی۔ جب اس کا پہلا حصہ ختم ہوتا تھا اور اس کے اور دوسرے عرش کے درمیان جو خلا ہے وہ پہلے عرش کی موٹائی سے زیادہ ہے۔ تیسرے عرش کی چوڑائی اس خلا سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد جو خلا ہے وہ اس کی چوڑائی سے زیادہ ہے۔ اس طرح نو عرش بنتے ہیں۔ جب نواں عرش ختم ہو جاتا ہے تو وہاں مخلوق کی انتہا آجاتی ہے اور آگے عالم امر شروع ہو جاتا ہے۔ روحِ انسانی اس لئے جاسکتی ہے کہ قل الروح من امر ربی اس کی اصل امر ربی سے ہے، یہ عالم امر میں تشریف لے جاسکتی ہے، حاضر ہوسکتی ہے۔

برصغیر کی سرزمین کو اگر دل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو آسمان پر اتنے ستارے نہیں ہیں جتنے زمین میں اہل اللہ دفن ہیں اور ان کی ہر قبر سے نور پھوٹ رہا ہے لیکن اگر عالم امر میں پہنچنے والے گنے جائیں تو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ ان کی تعداد آٹھ دس سے زیادہ نہیں ہیں۔ ان گزشتہ سوا چودہ سو سال میں صحابہ کے علاوہ.......... برصغیر میں صحابہ کے مدفن بھی ہیں، برصغیر

میں پہلی قوموں میں جو نبی مبعوث ہوئے تھے، ان کے مدفن بھی ہیں جو غیر معروف ہیں بعض انبیاء بھی اس سرزمین پر دفن ہیں جو بعثتِ آقائے نامدار سے پہلے بسنے والی قوموں کی طرف وقتاً فوقتاً آئے۔

نبیوں کے علاوہ صحابہ کبار جنہوں نے یہ زمین اسلام سے روشناس کروائی اور اس زمین میں جن کا وصال ہوا اور وہ اس زمین میں دفن ہوئے، ان کو چھوڑ دیں، ان کے بعد جب ولی اللہ کی بات آتی ہے تو یہ سرزمین اس طرح نظر آتی ہے قلب کی نظر سے جس طرح تاروں بھرا آسمان تاریک رات میں صاف نظر آتا ہے۔ اتنے ولی اللہ ہیں اس میں۔ لیکن عالم امر میں پہنچنے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ اور نسبتِ اویسیہ والے ولایت کو شمار اس طرح کرتے ہیں کہ جو عالم امر میں پہنچا وہ گھر پہنچا۔ ترقی اس سے آگے کرے گا۔

نسبتِ اویسیہ والے مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ قل الروح من امر ربی، امر سے تو یہ ہے۔ اگر یہ سارا سفر کر کے عالم امر میں پہنچ گیا تو ابھی گھر پہنچا ہے بارگاہ الوہیت کی حاضری یا وصول حق تو اب اس سے آگے شروع ہوگا کہ یہاں سے وہ بارگاہِ الوہیت کی طرف، بارگاہِ الٰہی کی طرف، وصول حق کی طرف سفر شروع کرتا ہے۔ اور یہ جتنے نامِ نامی آپ نے سُنے ان میں سوائے دو حضرات کے، دو حضرات ان میں بھی ہیں جو سالک المجذوبی تک ہیں لیکن ان کے نام شجرہ مبارک میں اس لئے شامل ہیں کہ جن لوگوں نے ان سے

فیض حاصل کیا وہ عالم امر میں ان بلندیوں تک چلے گئے جہاں تک کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ان کے ساتھ ان کے نامِ نامی بھی شجرے میں آ گئے۔

میں یہ جرات نہیں کرسکتا کہ مشائخ میں سے میں آپ کو دو نام بھی بتاؤں، ہمارے سارے مشائخ ہیں، ہمارے سارے باپ ہیں اور باپ اگر کاشتکار ہو، بیٹا بادشاہ بن جائے تو باپ باپ ہی رہتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اب بادشاہ کو باپ کی عزت مل گئی،نہیں باپ کی عزت باپ ہی کے پاس رہتی ہے خواہ وہ غریب کاشتکار ہو اور بیٹا بادشاہ ہو جائے۔ بعد میں آنے والے خواہ جتنے بھی منازل حاصل کرلیں، ہیں تو وہ انہی کے طفیل۔ساری برکات انہی کے سینے سے،انہی کے قلب سے اور انہی کے دلوں سے ہوکر آتے ہیں لہٰذا یہ جرأت نہیں کی جاسکتی۔ ہاں! دو حضرات کے علاوہ باقی تمام عالمِ امر کے باسی ہیں،اور ان دو کی اولاد بھی عالم امر تک پہنچی ہے۔ یہ ہے شجرۂ نسبتِ اویسیہ۔اس پر کسی نے ایک سوال یہ کیا تھا کہ جو فاصلے ہیں درمیان میں ان میں رابطہ کس نے کروایا۔ میں نے اس کا جواب عرض کر دیا کہ جس کسی نے رابطہ بالروح کروادیا لیکن منازل بالا نہیں کروا سکا اس کا احسان تو مانا گیا لیکن اتنا نہیں کہ اس کے نام کو شجرہ میں شامل کیا جاتا۔لہٰذا شجرہ ان ہی ناموں کا ملتا ہے جو کسی روح کو لے کر عالم بالا تک گئے۔مشائخ عظام سلسلہ عالیہ کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ جن دو

مشائخ نے ایک ہی زمانہ پایا، ان کی باہمی صحبت کا عرصہ بہت مختصر تھا، صرف چند ملاقاتیں اور اس کے بعد طریق نسبت اویسیہ سے ہی آگے تربیت وترقی نصیب ہوئی لیکن یہ اس دور کی خصوصیت ہے کہ حضرت جی ؒ کے ساتھ مسلسل ربع صدی کی صحبت نصیب ہوئی۔ شاید اس عہد تاریک تر میں پھر برکاتِ نبوت کا نور بانٹنے کے لئے کڑے مجاہدے (جو ربع صدی پر محیط ہے) اور مسلسل صحبت شیخ کی ضرورت تھی کہ کارگاہِ ربوبیت میں جہاں اور جب جس شے کی ضرورت ہوتی ہے مہیا فرمائی جاتی ہے اور آج اسی توجہ شیخ کا اثر ہم چاروانگ عالم میں دیکھ رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆